OPEN ACCESS
Al-Qamar
ISSN (Online): 2664-4398
ISSN (Print): 2664-438X
www.alqamarjournal.com

ذوالفقار احمد تابش کی شاعری میں مذہبی، صوفیانہ اور معاصر مسائل

Religious, Mystical and Contemporary Issues in the poetry of *Zulfiqār Ahmad Tābish*

Muhammad Anjum
Lecturer,Lahore Leads University, Lahore
Dr. Ata ur Rehman Meo
Associate Professor, Department of Urdu, Lahore Garrison University, Lahore

Abstract

Zulfiqār Ahmad Tābish a big name who was born in 1938 at Kamonki. He was the only son, also saw many tribulations in his early life. He was deprived of money to meet the requirements of the time for education. He wrote on of the verse in his early age, in his primary school, which according to him forget since the verse emerged in my mind. In the late 20th century, when big literary names came, one of them is Zulfiqar Ahmad Tabish, he has tried to show novelty in Urdu poetry. Zulfiqar Ahmad Tabish has written poetry keeping in mind all the rules of poetry. In Urdu poetry, along with religious poetry, he has also tried to convey current issues. In religious poetry, two of his long poems and a poem in the name of Salim-ur-Rehman are where he tried his hand at poetry, and there is also a glimpse of his prose work. In which a travelogue was published under the name of "**Jawār Bhātta**". His poetry collection "**Kalam Lab-e-Larzān**" contains independent poems, while **"Dar-e-Neem Wā"**, a collection of poetry that came out in 2019, also includes

ghazals. He has expressed his deep love and devotion to religious and Sufism.

Keywords: *Zulfiqār Ahmad Tābish*, poetry, religious, mystical, Contemporary Issues

تمہید

بیسویں صدی کے آخر میں اردو زبان وادب کے حوالے سے بڑے ادبی نام سامنے آئے۔ان ادبی شخصیات نے اردو شاعری اور نثر میں نئی راہیں تلاش کرنے کی کوشش کی۔ان ادبی نابغوں نے اردوادب کی تمام اصناف میں طبع آزمائی کی اور ادب کی ثروت میں اضافہ کیا۔ ان میں ذوالفقار احمد تابش ؔکانام بھی شامل ہے۔ان کی اردو شاعری میں جدت اور ندرت پائی جاتی ہے۔ذولفقار احمد تابش نے شاعری کے تمام ادبی اصولوں کو مد نظر رکھتے ہوئے شاعری کی۔ان کی نظم و نثر سے اردو زبان کو بہت تقویت پہنچی۔ان کی شاعری میں موجودہ حالات کی عکاسی موجود ہے۔نثر میں زندگی کے تجربات کو اجاگر کیا گیا ہے۔

ذوالفقار احمد تابش: ایک تعارف

ذوالفقار احمد تابش ؔضلع شیخوپورہ کے ایک گاؤں خانقاہ ڈوگراں میں 19 مئی 1938ء کو پیدا ہوئے۔ والدین کے اکلوتے بیٹے تھے۔کم سنی میں ماں باپ کا سایہ اٹھ گیا تو آپ کے تایا نے آپ کی پرورش کی ذمہ داری نبھائی۔ آپ کے والدین میں جب علیحدگی ہوئی اس وقت آپ کی عمر صرف 2 برس تھی۔ ذوالفقار احمد تابش ؔکی ابتدائی تعلیم ایک نجی سکول کے ماسٹر کندن لال کے زیر سایہ ہوئی۔ ان کے علاوہ ان کے استاد گرامی جناب ضاالدین نے بھی ان کی تعلیم وتربیت میں حصہ لیا۔ بچپن میں ذوالفقار تابش ؔکو اردو سیکھنے، اردو کتابیں پڑھنے اور خوش خطی سیکھنے کا بہت شوق تھا۔ماسٹر کندن لال نے اردو رجحان پیدا کیا اور ضاءالدین صدیقی نے خوش خطی میں معاونت کی۔ان کی ابتدائی زندگی محنت ومشقت سے عبارت ہے۔نامساعد حالات کی وجہ سے تابش نے 1957ء سے 1958ء تک راج گری کی۔لاہور کی مشہور ومعروف میں مارکیٹ (Main Market) اس وقت تکمیل کے مراحل طے کر رہی تھی۔ آپ وہاں پر پلستر کا کام کرتے رہے۔ آپ نے کافی عرصہ محنت مزدوری کرکے گزر بسر کی۔انھوں نے اردوشاعری میں مذہبی شاعری کے ساتھ موجودہ حالات کو بھی بیان کیا ہے۔مذہبی شاعری میں ان کی دو طویل نظمیں اور سلیم الرحمن کے حوالے سے ایک نظم سے انہوں نے اپنی شاعری کا آغاز کیا۔ تابش نے نثر سفر کا آغاز سفر نامے "جوار بھاٹا" سے کیا۔ان کے شاعری کے مجموعے **"لب لرزاں"** میں آزاد نظمیں ہیں، جبکہ **"در نیم وا"**، شاعری کا ایک مجموعہ جو 2019 میں سامنے آیا تھا، اس میں غزلیں بھی شامل ہیں۔ انہوں نے مذہبی شاعری لکھ کر تصوف سے اپنی گہری محبت اور عقیدت کا اظہار کیا ہے۔

ذوالفقار احمد تابش ؔکی ادبی و عملی زندگی کا آغاز 1957ء میں ہوا جب انھوں نے نامساعد حالات کے بعد دوبارہ پڑھائی کرنا چاہی۔ انھوں نے چھٹی، ساتویں اور آٹھویں جماعت کا یکساں سلیبس پڑھ کر امتحان دیا اور مڈل میں فرسٹ ڈویژن حاصل کی۔انھوں نے باغبانپورہ لاہور میں Stander Is lamia High School میں داخلہ لیا اور نویں اور دسویں کی ایک ساتھ تیاری کرکے میٹرک میں بھی فرسٹ ڈویژن حاصل کی۔دیال سنگھ کالج سے ایف۔اے کا امتحان پاس کیا۔ذوالفقار احمد تابش ؔکو کھیل کود میں دل چسپی نہ تھی ۔ شعر پڑھنے، کہنے ،سنانے، مصوری کرنے سے رغبت نے انھیں مصنف کی بجائے فن تقریر کا ماہر

بنا دیا۔ ذوالفقار احمد تابشؔ نے بارہویں جماعت میں ایک فن پارے کا انگلش سے اردو ترجمہ میں کیا۔ سلیم الرحمن صاحب نے اس کاوش کو سراہا۔ 1964ء سے 1966ء تک انھوں نے فیروز سنز سے وابستہ رہے۔ آپ نے اردو سائنس بورڈ میں بھی اعلیٰ عہدے پر کام کیا۔ 1970ء میں اس ملازمت سے سبکدوش ہوگئے۔ 1973ء میں Nation Book Centre میں آفیسر انچارج مقرر ہوئے۔ جب آپ Nation Book Council میں آفیسر انچارج تھے اس دوران میں آپ یونیسکو کی دعوت پر یونان گئے جہاں ایک سیمینار میں شرکت کی اور واپسی پر سفر نامہ "جوار بھاٹا" کے نام سے لکھا۔ 1989ء میں آپ آسٹریلیا بھی گئے اور وہاں ایک روحانی سلسلہ "سبد" کے SUBUD میں شرکت۔ انھوں نے ایک ناول "خواب گزیدہ" کے نام سے تحریر کیا جو کہ ان کی ذہانت و فطانت کے ساتھ ساتھ اردگرد کے ماحول کے ساتھ خاصی وابستگی رکھتا ہے۔ مصوری کے فن کو ایک نئے زاویے سے پیش کرنے کے لیے ایک دفعہ 1972ء میں سنگ میل کے نیاز صاحب نے انھیں "دیوان غالب" مصور کرنے کا کہا۔ اس کام کو انھوں نے بڑی دل جمعی سے انجام دیا۔ لیکن کچھ وجوہات کی بنا پر یہ دیوان آج تک دنیائے ادب کی نظروں سے اوجھل ہے۔ انھوں نے بے شمار اداروں کی کتب کے ٹائٹل بھی بنائے جن کی تعداد کم و بیش 300 کے لگ بھگ ہے۔ شمس الرحمن فاروقی کے ایک شاہکار ناول "کئی چاند تھے سرِ آسمان" کا ٹائٹل بنانے کا سہرا بھی جناب ذوالفقار احمد تابشؔ کے سر ہے۔

تصانیف

ان کی تصانیف میں "اعجازاللغات" ہے جو سنگ میل پبلشرز کی فرمائش پر تحریر ہوئی۔ ان کا پہلا شعری مجموعہ "لب لرزاں" ہے۔ انھوں نے سب سے پہلے نعتیہ مصرع بچپن میں ہی کہا۔ ان کی طبعیت میں شاعرانہ ذوق بچپن سے ہی تھا۔ ذوالفقار احمد تابش نے "لب لرزاں" مجموعہ 1975ء سے 1977ء کے درمیان لکھا، جو مکتبہ تاجور شادمان لاہور نے شائع کیا۔ یہ شعری مجموعہ دو حصوں میں منقسم ہے۔ اس مجموعے کے میں ایک نعت چھوڑ کر باقی نظموں کے عنوانات تو مختلف ہیں لیکن ان کا موضوع ایک ہی ہے۔ "در نیم وا"، ذوالفقار احمد تابشؔ کا دوسرا شعری مجموعہ ہے جو بیسویں صدی کے آخر میں ظہور پذیر ہوا۔ اس مجموعے میں مذہبی شاعری کو بھرپور انداز سے شامل کیا ہے۔ دو طویل قصائد اور ایک منقبت بھی اسی مجموعے کا حصہ ہیں۔ انھوں نے موجودہ حالات پر آواز اٹھانے کی جسارت بھی کی، جس کا منھ بولتا ثبوت فلسطین اور کشمیر کے لیے لکھی جانے والی نظمیں ہیں۔ دو طویل قصائد بحضور سرور کونین محمد ﷺ، بحضور فیض گنجور داتا گنج بخش علی ہجویریؒ شامل ہیں۔ انھوں نے منقبت علی بن عثمان داتا گنج بخش علی ہجویری رحمتہ اللہ علیہ کے حضور پیش کی۔

بیسویں صدی میں جہاں اردو زبان و ادب کو شاعری میں فروغ ملا۔ اسی دور میں ایک نام ذوالفقار احمد تابشؔ کا ہے جنہوں نے اردو نظم نگاری میں ایک نام کمایا۔ انھوں نے ایک نظم "بیسویں صدی" کے عنوان سے 1958ء میں تحریر کی، جو ناشر کی بے اعتنائی کی وجہ سے منظر عام پر نہ آسکی۔ انھوں نے ایک نظم "لاہور کے نام" تحریر کی۔ اس نظم میں نا صرف ان کا انداز بیان بل کہ ان کی سوچ بھی ناصر کاظمیؔ سے ملتی معلوم ہوتی ہے۔ یہ ایسی نظم ہے جس کا موضوع لاہور شہر ہے۔ یہ بتایا گیا ہے کہ کس طرح شہر لاہور نے اپنے اندر لوگوں کو سمیٹا ہوا ہے۔ جس کا ایک بہت ہی عمدہ شعر:

لاہور تیرے مخزن انوار سلامت
داتا کی دعا داتا کے دربار سلامت [1]

ان کی ایک اور نظم جس میں وہ فیض احمد فیض اور ان کے ہم عصر شعرا اور ادباء کے ہم پلہ نظر آتے ہیں۔ جنھوں نے عصر حاضر میں ہونے والے ظلم و ستم کو اپنے قلم کی تلوار سے مٹانے اور دنیا میں ان کا چہرہ دکھانے کی کوشش کی ہے کہ کیسے فلسطین اور کشمیر کے شہدا اپنی جانوں کا نذرانے پیش کررہے ہیں۔ اس نظم میں ان کا موضوع ان دکھی اور بے بس مسلمانوں کی آواز ہے جو ظلم کی چکی میں پس رہے ہیں اور حاکمان وقت خاموش تماشائی بنے ہوئے ہیں۔ ذوالفقار احمد تابش اپنی نظم کے اس مطلع میں کچھ یوں بیان کرتے ہیں: "اے دوستو! کیا دل کے لہو ہونے کی بھی کوئی دوا ہے کہ نہیں۔" اس میں وہ سوالیہ انداز اپناتے ہیں، مدد کا کوئی چارہ ڈھونڈتے ہیں۔ وہ ایسی کوئی تدبیر تلاش کرتے دکھائی دیتے ہیں جس سے زخموں سے چور چور دلوں کو تسکین اور شفامل جائے۔

آج بھی شہر سے نوحے کی صدا آتی ہے
آج کی شب بھی دیا کوئی جلا ہے کہ نہیں [2]

ان کی ایک اور نظم جس کا عنوان "ایک چھوٹی سی کہانی" ہے۔ ذوالفقار احمد تابش بتاتے ہیں کہ جب کوئی زخموں پر مرہم کرنے والا نہ ہو تو پھر زخم ناسور بن جاتے ہیں۔ جیسے جذبات کا اظہار نہ ہو پائے تو وہ اک انگارے کی شکل اختیار کر جاتے ہیں۔ جیسے ایک انسان لمبے سفر پر ہو تو تھکاوٹ سے کیا حالت بن جاتی ہے؟ جیسے سینے میں ایک چھوٹا سا زخم ہو وہ آہستہ آہستہ ناسور بن جاتا ہے۔
اس مسافر کا حال بھی ویسا ہی ہوتا ہے جو طویل گزر گاہوں کی خاک چھان کر آیا ہو اور اس کا بدن زخموں سے چور ہو۔ اس کی عکاسی ان اشعار میں ملتی ہے۔

اک ذرا سا زخم تھا سینے میں
وہ ناسور کیسے ہو گیا تھا
میں جو صدیوں کے سفر میں تھا
تھکن سے چور کیسے ہو گیا تھا [3]

دنیا کی یہ حقیقت ہے کہ زمانہ بدل جاتا ہے جو آج ہے وہ کل نہیں ہوگا۔ تابش کی ایک نظم جس کا عنوان "زوال عصر یقین لکھا ہے" ہے۔ اس نظم میں انھوں نے بتایا ہے کہ جو موجود ہے وہ فنا ہو جائے گا اور جو حاضر ہے وہ غائب ہو جائے گا۔ آزاد نظم میں بھی تابش نے طبع آزمائی کی۔ ان کی ایک نظم "بادبان کھول دو" ہے۔ اس نظم میں وہ اک ایسا منظر پیش کرتے ہیں کہ انسان مجرد چیزوں کے ساتھ وابستگی اور اظہار محبت کرتا ہے اور یہ ثابت ہوتا ہے کہ کسی بھی شے کو ثبات نہیں ہے۔ درج ذیل اشعار اس بات کی توضیح اس طرح کرتے ہیں:

بند کمرے میں صوفے پہ لپٹا ہوا ریشم
اک کشن میرے سر کے تلے نصف شب خامشی
نیم خوابیدہ آنکھیں، یہاں سے وہاں تک رسائی میری [4]

ذوالفقار احمد تابش نے اپنے کلام میں تمام شعری اور ادبی اصطلاحات کا استعمال کیا ہے انھوں نے تشبیہات و استعارات کا استعمال کر کے کلام کو اور زیادہ دل آویز بنانے کی بھرپور سعی کی ہے۔ ان کے کلام کو تشبیہ کے حوالے سے بیان کرنے سے پہلے ضروری ہے کہ تشبیہ کی تعریف کی جائے۔

تشبیہ

تشبیہ کے لغوی معنی مشابہت دینا، تمثیل، مشابہ اور ہم شکل کے ہیں۔ علم بیان کی اصطلاح میں کسی چیز کو کسی خاص خوبی کی بنا پر کسی دوسری چیز کی مانند قرار دینا تشبیہ کہلاتا ہے۔ لیکن یاد رہے کہ دوسری چیز میں وہ خوبی پہلی چیز کی نسبت زیادہ ہونی چاہیے۔" تشبیہ لغت میں دلالت ہے اس بات پر کہ ایک شے دوسرے شے کے ساتھ ایک معنی میں شریک ہے۔ علم بیان کی اصطلاح میں تشبیہ سے مراد دلالت ہے دو چیزوں کی جو آپس میں جدا جدا ہوں۔ ایک معنی میں شریک ہونے پر۔۔۔ تشبیہ کے بیان میں پانچ چیزوں پر بحث ہوتی ہے (1) مشبہ اور مشبہ بہ کو طرفین تشبیہ کہتے ہیں۔(2) وجہ تشبیہ (3) غرض تشبیہ (4) ادات تشبیہ۔ یہ تشبیہ کے ارکان کہلاتے ہیں۔[5] ذوالفقار احمد تابشؔ نے اپنی شاعری میں تشبیہ کا استعمال جا بہ جا کیا ہے

خط خیال پہ ظاہر ہو ماہ نو کی طرح
مرے وجود کے اس قریہ نہاں میں اتر![6]

اس شعر میں ذوالفقار احمد تابشؔ اپنی مشکل ردیف والی غزل میں بیان کرتے ہیں کہ جس طرح نیا چاند طلوع ہوتا ہے تو وہ ہر طرف روشنی بکھیر دیتا ہے اسی طرح وہ محبوب کے چہرے کو نئے چاند سے تشبیہ دیتے ہیں کہ تو میرے جسم و جاں کو اپنی چمک سے منور کر دے۔ اس شعر میں اس کی خوب عکاسی ملتی ہے۔

رگوں میں خون کی رنگت بدل گئی شاید
سلگ اٹھا ہے بدن چشم سرمہ کی طرح[7]

اس شعر کے اندر شاعر رگوں میں چلنے والے خون کی رنگت اور گرماہٹ کو تشبیہ کا سہارا لے کر بیان کرتے ہیں کہ جیسے آنکھ میں سرمہ لگانے سے اک ہلچل مچ جاتی ہے۔ میرے جسم کی کیفیت بھی کچھ اس طرح ہے۔

عکس خورشید تھا مہتاب کہ چہرہ اس کا
کوچہ یار میں کل رات اجالا کیوں تھا
دیا تھا ایک روشن دل میں جو بجھنے لگا ہے
اندھیرا اتنا گہرا ہے بکھرتا ہی نہیں ہے[8]

تابشؔ نے دوسری علم بیان کی صورتوں کے ساتھ ساتھ مجاز مرسل کو بھی اپنے کلام میں بھرپور استعمال کیا ہے۔ ان کے اشعار بہت سی مثالیں موجود ہیں۔ علم بیان کی تیسری شاخ مجاز مرسل ہے۔ مجاز کے لغوی معنی راہ، راستہ غیر اصلی، فرض کیا ہوا، مصنوعی یا نقلی یا ایسے راستے کے ہیں جس کے ذریعے ایک طرف سے دوسری طرف جا سکیں۔ علم بیان کی رو سے مجازِ مرسل اس لفظ کو کہتے ہیں جو اپنے معنوں کے بجائے مجازی معنوں میں استعمال ہو اور حقیقی و مجازی معنوں میں تشبیہ کے علاوہ کوئی تعلق ہو۔ مجاز مرسل کے اصطلاح معنوں کی وضاحت کے لیے محققین فن کے اقتباسات دیکھے جا سکتے ہیں۔ شمس الدین فقیر لکھتے ہیں: "مجاز مرسل اس لفظ کو کہتے ہیں کہ اس کو استعمال کیا ہو ایسے معنی میں کہ وہ معنی موضوع لہٗ کے غیر ہوں اور ان دونوں معنی

میں سوا مشابہت کے کچھ اور علاقہ ہو۔"[9] مولوی نجم الغنی رامپوری کے مطابق: "مخفی نہ رہے کہ جو لفظ سوائے معنی موضوع لہٗ کے اور معنی میں مستعمل ہو اور وہاں کوئی قرینہ ایسا پایا جائے جو اصلی معنی مراد لینے سے مخاطب کو روک دے اور ان دونوں معنی میں کوئی علاقہ سوائے تشبیہ کے ہو، اس کو مجاز مرسل کہتے ہیں۔"[10]

مندرجہ بالا تعریفوں سے یہ بات واضح ہوتی ہے کہ مجاز مرسل وہ لفظ یا کلمہ ہے جو ایسے مفہوم میں استعمال ہوتا ہے جو حقیقی معنی کے برعکس ہو اور دونوں معنوں میں تشبیہ کے تعلق کے علاوہ کوئی اور تعلق پایا جاتا ہے۔ یہ بات ظاہر ہے کہ جب لفظ اپنے اصلی معنی کے خلاف استعمال ہو کوئی اور نسبت رکھتا ہو تو اس مناسبت کو فن کی زبان میں علاقہ یا تعلق کہتے ہیں۔ مجاز مرسل میں ان علائق کی متعدد صورتیں ہیں۔ محققین علم بلاغت نے مجاز مرسل کی کم و بیش 24 صورتیں بتائی ہیں۔ ذوالفقار احمد تابشؔ نے دوسری علم بیان کی صورتوں کے ساتھ ساتھ مجاز مرسل کا بھی اپنے کلام میں بھرپور استعمال کیا ہے۔ ان اشعار کے حوالے سے اس کا بھرپور جائزہ لیا جائے گا:

مدت ہوئی آنکھوں سے لہو بھی نہیں ٹپکا
اب کون اسے دل کی جراحت کا پتا دے
کانٹوں کی زباں چاٹے گی کب تک میرے پاؤں
اے نخل بلا طول مسافت کا پتا دے[11]

جس طرح ذوالفقار احمد تابش نے علم بیان کی دوسری شاخوں کو استعمال کیا ہے اسی طرح صنعت تلمیح کا استعمال بھی ان کے کلام

صنعت تلمیح

ذوالفقار احمد تابش کے کلام میں جو سب سے زیادہ صنعت استعمال ہوئی ہے وہ صنعت تلمیح ہے۔ "تلمیح" عربی زبان کا لفظ ہے اس کے لغوی معنی اشارہ کرنا یا اچٹتی نگاہ ڈالنا کے ہیں۔ علم بدیع کی اصطلاح میں شاعر کا اپنے کلام یا نثر نگار کا اپنی نثر میں کسی مشہور واقعے یا مسئلے، روایت، قصے، شخص، چیز، جگہ، شعر، حدیث، قرآنی آیت یا کسی فنی اصطلاح کی طرف اشارہ کرنا "تلمیح" کہلاتا ہے۔ ذوالفقار احمد تابشؔ نے اپنے کلام میں تاریخی واقعہ، قول، آیت، حدیث، اور نامور شخصیات کے ساتھ ساتھ فنی اصطلاحات کو بھی کلام کی زینت بنایا ہے۔ ان کا کلام مصوری و معنوی حسن کا حامل ہو جاتا ہے۔ ان کے کلام میں ایسی تلمیحات بکثرت آتی ہیں جن میں آقائے نامدار ﷺ کے حوالے سے زیادہ تلمیحات استعمال ہوئی ہیں۔

وہیں مسکن تھا اس چندن بدن کا
وہیں دیکھی تھی وہ بلقیس ثانی[12]

اس شعر میں ذوالفقار احمد تابشؔ حضرت سلیمانؑ کے دور میں ملکہ بلقیس کا ذکر کرتے ہیں جس کا تخت دنیا میں مشہور تھا اور جس نے آپ پر ایمان لانے کا انکار کیا تھا۔ اور آپ اس میں یہ بتاتے ہیں کہ اس کا بدن بھی ملکہ بلقیس کی طرح طمطراق میں تھا:

وہ حریم عشق کا محرم سخن کی آبرو
میر سا شاعر نہ ہو گا شاعروں کے درمیاں[13]

اس شعر میں ذوالفقار احمد تابش ؔ بتاتے ہیں اور ساتھ ہی ساتھ کلاسیکی شعراء کے ساتھ محبت اور ان کے کلام کو لاثانی ہونے کا اظہار کچھ یوں کرتے ہیں کہ شاعر تو دنیا میں بہت زیادہ گزرے ہیں لیکن جو کمال اور ملکہ میر تقی میرؔ کو حاصل تھا وہ غالبؔ جیسا شاعر بھی نہ پاسکا۔

مذہبی شاعری

ذوالفقار احمد تابش ؔکی شاعری میں مذہبی شاعری، نعت، قصیدہ اور منقبت بھی ملتی ہے۔ نعت عربی لفظ ہے، عربی، فارسی اور اردو لغات میں نعت کے جو مفاہیم درج ہیں ان کی روسے اس کا مفہوم ستائش، تعریف، ثنا، مدح وغیرہ ہے۔ اصطلاح میں نعت سے وہ صنف مراد ہے جس میں حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ کی تعریف و توصیف بیان کی جاتی ہے۔ قرآن مجید میں نبی اکرم علیہ الصلوٰۃ والسّلام کی صفات کا تذکرہ جابجا ہوا ہے۔ آپ علیہ الصلوٰۃ والسّلام کو بے شمار صفاتی ناموں سے مخاطب کیا گیا۔ مسلمانوں کے عقیدے کی روح سے خدائے بزرگ و برتر کے بعد اس کائنات میں بلند ترین ہستی حضور اکرم ﷺ کی ذات مبارکہ ہے۔ نعت گوئی کا باقاعدہ آغاز رسول اکرم ﷺ کی زندگی مبارکہ میں ہی ہو گیا تھا۔ حضرت حسان بن ثابت رضی اللہ عنہ دربار رسول کے پہلے نعت گو شاعر ہیں۔ زمانہ جاہلیت میں وہ اپنے سرداروں کی مدح لکھا کرتے تھے۔ قبول اسلام کے بعد انھوں نے اپنے آپ کو رسول کریم ﷺ کی مدح و تعریف، اسلام کا دفاع اور منکرین اسلام کی ہجو گوئی کے لیے وقف کر دیا۔ حضرت حسان بن ثابت کے علاوہ حضرت کعب بن زبیر، حضرت عبداللہ بن رواحہ جیسے صحابہ کرام نے بھی حضور نبی اکرم ﷺ کی نعت لکھی۔ اسی طرح خلفائے راشدین کے دور میں بھی نعتیں لکھی گئیں: "اس کے بعد ہر دور میں حضور اکرم ﷺ کی مدح و ثنا کا رجحان موجود رہا اور ہنوز سلسلہ جاری ہے اور ان شاء اللہ رہتی دنیا تک جاری رہے گا۔ نعت کی روایت عربی سے فارسی میں آئی۔ فارسی کے مشہور نعت نگاروں میں سنائی، عطار، رومی، عراقی، جامی سعدی، نظامی گنجوی، امیر خسروؔ عرفیؔ وغیرہ خصوصاً بڑی اہمیت رکھتے ہیں۔"[14]

نعت گوئی

دیگر شعری اصناف کی طرح ذوالفقار احمد تابش نے نعت گوئی میں بھی طبع آزمائی کی ہے اور وہ ایک ممتاز حیثیت سے جانے اور پہچانے جاتے ہیں۔ انھوں نے غزل اور آزاد نظم کی ہیئت میں نعتیں لکھیں۔ ان کے مجموعہ کلام "لب لرزاں" میں انھوں نے حضور اکرم ﷺ کی شان میں مدح سرائی کی ہے جس کا یہ منھ بولتا ثبوت ہے کہ ان کا شغف اور والہانہ محبت و عقیدت آقائے دوجہاں ﷺ کس حد تک تھا۔ ذوالفقار احمد تابش نے نعت رسول مقبول ﷺ میں آزاد اور غیر مردف نظم والا انداز اپنایا ہے۔ ان کے ہاں ہمیں مختلف قسم کی تلمیحات کے ساتھ نعتیہ کلام ملتا ہے۔ اسی طرح انھوں نبی پاک ﷺ کی مدینہ شریف ہجرت کے منظر خوب صورت انداز میں ایسے پیش کیا گیا ہے گویا کہ مدینہ منورہ کی سیر کر رہے ہوں۔ آپ ﷺ پہلے طائف میں تھے اور اس پاک شہر کی زمیں مہکی ہوئی تھی جس کا ہر ایک ذرہ آپ ﷺ کا ثناخواں تھا۔ جب آپ ﷺ مکہ سے مدینہ کی طرف ہجرت کی تو اس وقت ایک سواری پر سوار تھے۔ اس سواری اور سوار پر نہ صرف بشر اور دنیا والوں کو بلکہ نوری فرشتوں کو بھی ناز تھا۔ جس پر شاعر فرماتے ہیں کہ وہ انھیں راستوں سے ظاہر ہو گا یعنی آپ ﷺ کی آمد جن گزر گاہوں سے ہو گی ان میں ہر ذی روح ثناخوانی اور مدح سرائی میں مصروف تھی۔ آپ ﷺ کی آمد سے ہر چیز چمک جائے گی اور منور ہو جائے گی۔ ان اشعار میں اس بات کا اظہار ملتا ہے

زمین اب بھی طائف کی مہکی ہوئی

ذرہ ذرہ ہے جس کے لہو سے وہی[15]

اسی نعت رسول مقبول ﷺ میں شاعر ذوالفقار احمد تابش فرماتے ہیں کہ جب آپ ﷺ اس دنیا میں تشریف لائے تو وہ پوری کائنات میں آنے والے اور گزرے ہوئے ازمنہ کے لیے تھے۔ آپ ﷺ ہی کی وجہ سے اس دنیا میں بسنے والوں کو عزت ملی اور جب آپ ﷺ کی آمد ہوئی اور وحی کا نزول ہوا جیسے پہلے انبیاء کرام پر ہوا کرتا تھا۔ وہ ہم پر علم و نور کی بارش کریں گے۔ جس سے بے علم انسانوں کو ایک نئی روشنی کی کرن ملے گی:

زمانوں کا مالک، جہانوں کی توقیر لے کر

وہ آئے گا الہام کی آیتیں، علم کی ساعتیں[16]

آقائے دوجہاں ﷺ تمام انبیاء کے سردار بن کر تشریف لائے۔ آپ ﷺ سے پہلے جتنے بھی پیغمبر اور رسول تشریف لائے سب کو آپ ﷺ کی آمد کا انتظار تھا۔ ہر نبی نے اپنے وقت کی قوم کو بتایا کہ ایک نبی تشریف لائیں گے جن کے بعد کوئی دوسرا نبی نہیں آئے گا۔ آپ ﷺ کی آمد کے ساتھ ہی اس دنیا میں جہالت ختم ہو گئی آپ ﷺ نے بہت سی تکالیف کو برداشت کیا لیکن اس دنیا کو روشن کر گئے جو تاریکی اور جہالت میں ڈوبا ہوا تھا۔ آپ ﷺ کی آمد سے پہلے عورتوں کو زندہ درگور کیا جاتا تھا۔ غلاموں کی تذلیل کی جاتی تھی۔ آپ ﷺ نے اس دنیا میں پیغام خدا کو عام کیا اور بتایا کہ ہر انسان آدم کی اولاد ہیں کسی گورے کو کالے پر کالے کو گورے پر فوقیت حاصل نہیں ہے۔ ذوالفقار احمد تابش کی تمام تر خوبیوں کے ساتھ ساتھ اسلوب بھی کسی شخصیت کا آئینہ دار ہوتا ہے۔ کسی لکھاری کا اسلوب اس کے نثری یا شعری فن پارے کی غمازی کرتا ہے۔ کوئی بھی شاعر یا ادیب اپنے افکار و خیالات کو جن الفاظ کے اندر ڈھالتا ہے ان سے اس کی انفرادیت ظاہر ہوتی ہے اور معلوم ہوتا ہے کہ اس کا اسلوب کتنا اچھا ہے۔ کسی بھی نثری یا شعری تخلیق کا مطالعہ دو حوالوں سے کیا جاتا ہے۔ ایک تو فکری و فنی اور دوسرا اسلوبی حوالے سے۔

جب ذوالفقار احمد تابش کی شاعری کا مطالعہ کرتے ہیں تو اس سے پتا چلتا ہے کہ انھوں نے تمام ترکیبی عناصر کو بروئے کار لا کر شاعری کی ہے۔ انھوں نے رسماً شاعری نہیں کی بل کہ اس میں بھرپور تخلیقی جوہر دکھائے ہیں۔ ان کی شاعری میں وہ تمام خصوصیات پائی جاتی ہیں جو ایک بلند پایہ شاعر میں ہونی چاہیے۔ ذوالفقار حمد تابش کی شاعری کا بغور مطالعہ کرنے سے پتا چلتا ہے کہ وہ ایک قادر الکلام شاعر ہیں۔ انھوں نے اپنے داخلی اور خارجی حالات کو جس طرح خوب صورت انداز میں پیش کیا ہے کہ زمانہ معترف ہے۔ اور اس کے ساتھ ساتھ اردو شاعری کا بھی بڑا شغف تھا ان کی شاعری میں حد سے زیادہ فطری ماحول پایا جاتا ہے۔ انھوں نے اپنی زندگی دکھوں میں گزاری لیکن کسی بھی دکھ کا اظہار کڑوے انداز میں نہیں کیا۔ انھوں نے اپنی شاعری کے اندر میر تقی میر خدائے سخن کا ذکر کیا ہے جو اس بات کا منھ بولتا ثبوت ہے کہ وہ میر اور غالب جیسے شعراء کے نہ صرف معترف تھے بل کہ ان کے رنگ میں رنگنے کی کوشش بھی کرتے نظر آتے ہیں۔ سلیم الرحمان نے ان کے متعلق جو کچھ بیان کیا ہے اس میں کوئی گنجائش نہیں کہ وہ ایک شعری مرتبے کو اس حد تک نہیں چھو سکتی۔ ذوالفقار احمد تابش نے روایتی مضامین کو دہرانے کے ساتھ ان میں تغزل بھی پیدا کیا ہے جو لسانی اور فنی پابندیوں میں رہتے ہوئے شاعری کی ہے:

لذت ہجر بھی یاد آئی ملاقات کے وقت
کیا مزا تھا ترے دو دن کے خفا ہونے میں
گھر سے نکلے ہیں تو اس کا روئے زیبا دیکھ لیں
اس کی آنکھیں دیکھ لیں، اس کا سراپا دیکھ لیں[17]

عربی زبان کا لفظ ہے جس کے لغوی معنی گاڑھے مادے کے ہیں۔ کیوں کہ قصیدے کے اشعار میں بڑے سے بڑا مضمون باندھا جاتا ہے۔ اس مناسبت سے اس صنف سخن کو قصیدہ کہا جانے لگا۔ اسی بات کو احسن انداز سے بیان کرنے کے لیے شمیم احمد لکھتے ہیں کہ: ”اس صنف سخن پر اس لفظ کا اطلاق اس وجہ سے کیا جاتا ہے کہ یہ اپنے نادر و بلند اور پر شکوہ، مضامین کی وجہ سے تمام اصناف سخن میں فوقیت رکھتی ہے۔ اس لیے اسے اصناف سخن میں وہی حثییت حاصل ہے جو انسانی جسم میں مغز کو حاصل ہے۔ لہذا اسے مغز سخن تصور کر کے قصیدہ کا نام دیا گیا ہے۔“[18] قصیدہ عربی زبان کے لفظ قصد سے نکلا ہے۔ اس کے لغوی معنی ارادہ کرنے کے ہیں۔ جس سے ثابت ہوتا ہے کہ یہ وہ صنف ہے جو ارادی طور پر وجود میں آتی ہے۔ گویا قصیدے میں شاعر جب کسی کی مدح و ستائش کرتا ہے تو اس میں اس کے قصد اور ارادے کا پورا پورا دخل ہوتا ہے۔ قصیدہ بہت پرانی صنف سخن ہے اور یہعربی کے علاوہ فارسی میں بھی وافر ذخیرے کی صورت میں موجود ہے۔ نظم کی طرح قصیدے میں خیالات و مضامین مربوط و مسلسل ہوتے ہیں۔ چنانچہ اسے موضوع کے لحاظ سے کوئی نہ کوئی عنوان دیا جاتا ہے۔ تاہم اگر ہیئت کے اعتبار سے دیکھا جائے تو قصدیہ غزل سے ملتا ہے اور آغاز سے آخر تک اس میں ایک ہی بحر ہوتی ہے۔ پہلے شعر کے دونوں مصرعے باقی ہر شعر کا دوسرا مصرعہ ہم قافیہ و ہم ردیف ہوتے ہیں۔ قصیدے کا آغاز مطلع سے ہوتا ہے۔ بعض اوقات اس کے وسط میں بھی مطلع لائے جاتے ہیں۔ اگر قصیدے کے اشعار کی بات کی جائے تو اس کی کم سے کم تعداد پانچ ہے اور زیادہ سے زیادہ کی حد مقرر نہیں یہی وجہ ہے کہ فارسی میں ہمیں کئی سو اشعار کے قصیدے ملتے ہیں۔

منقبت

عربی زبان سے نکلا ہے جس کی جمع مناقب ہے۔ لغوی معنی تعریف و توصیف، ذاتی خوبی اور خاندانی فضیلت و برتری کے ہیں۔ اصطلاح میں منقبت ایسی صنف نظم ہے جس میں صحابہ اکرام، اولیائے عظام اور بزرگان دین کے اوصاف بیان کیے جائیں اسے منقبت کہتے ہیں۔ دوسری اصناف شاعری حمد، نعت، قصیدہ کی طرح منقبت بھی بڑی پرانی ہے ابتداء ہی سے شعراء اہلبیت اطہار صحابہ اکرام، اولیائے عظام اور دیگر مذہبی شخصیات کی منقبت لکھتے آئے ہیں۔ حمد و نعت کی طرح منقبت کے لیے بھی کوئی خاص ہیئت مقرر نہیں۔ شاعر منقبت کے لیے غزل، قصیدہ، قطعہ، رباعی، مخمس، مسدس کوئی بھی ہیئت اختیار کر سکتا ہے۔ اسی وجہ سے منقبت کو مختلف ہیئتوں میں جذبات عقیدت کے اظہار کے لیے استعمال کیا جاتا رہا ہے۔ جو بھی اللہ پاک کا نام لینے والا ہے۔ وہ آقائے دوجہاں ﷺ کے سایہ شفقت میں دنیا و آخرت میں جگہ پائے گا۔ چناں چہ ہمارے شاعروں اور ادیبوں نے حمد باری تعالیٰ، نعت رسول مقبول ﷺ کے ساتھ ساتھ اہل بیت اطہار اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہما کے مناقب بھی بیان کیے ہیں۔ اسی طرح شعراء نے اپنی عقیدت کا اظہار دوسری بڑی شخصیات کے ساتھ کیا ہے۔ ذوالفقار احمد تابش نے دیگر اصناف کی طرح منقبت جیسی صنف میں بھی طبع آزمائی کی ہے۔ اس میں وہ مہارت تامہ رکھتے ہیں۔ تابشؔ اس منقبت میں اہل بیت اور خلفائے

راشدین اور دیگر بزرگان دین کی شان میں مناقب بیان کرتے ہیں۔ ان کے مجموعہ کلام میں ایک منقبت ہے جو کہ بحضور علی بن عثمان ہجویری داتا گنج بخشؒ کی شان میں لکھی ہے:

توسب کو دیتا ہے آقا دعا مجھے بھی دے
بے آسرا ہوں بہت، آسرا مجھے بھی دے
یہاں پہ بٹتی ہے توقیر دین و دنیا کی
میں تیرے در پہ ہوں کب سے کھڑا مجھے بھی دے[19]

اسی منقبت میں تابشؔ عرض کرتے ہیں کہ حضور مجھے بھی اپنے خزانے بخش دے کیوں کہ توسب کو بخشتا ہے میرا دامن بھی خالی ہے اسے بھی بھر دے:

تو گنج بخش ہے آقا تو میں تہی دامن
گل مراد شہ اولیا مجھے بھی دے[20]

تابشؔ کی شاعری میں غنائیت اور موسیقیت پائی جاتی ہے۔ ان کی اکثر غزلیں گائی جاسکتی ہیں۔ ترنم اور موسیقیت کے لیے زمین، قافیہ، ردیف اور بحر بھی بہت اہم کردار ادا کرتی ہے۔ ذوالفقار احمد تابشؔ نے ان سب کا خیال رکھا ہے۔ ان کی نظر ہمیشہ مترنم اور موسیقیت سے بھری ہوئی ہے۔ غزلوں کے قوافی اور ردیف کی تلاش پر ان کو عبور حاصل ہے سہل اور شستہ الفاظ کے استعمال نے بھی ان کے اشعار کو نہایت مترنم اور موسیقی ریز بنا دیا ہے:

خوب پرے اک خواب کا منظر دریا پار اک دریا تھا
دھوپ اندر دھوپ کھلی تھی، سائے میں اک سایا تھا[21]

معاملہ بندی بھی اردو شاعری میں مختلف شعراء کے ہاں معاملہ بندی عشق پائی جاتی ہے۔ جو عشقیہ شاعری کے مختلف زمانوں میں پیدا ہوتا رہا ہے۔ اس کا عکس ذوالفقار تابشؔ کی شاعری میں بھی طبیعت کا تیکھا پن نظر آتا ہے:

ہاتھ خالی تھے مرے پھر یہ جھمیلا کیوں تھا
زندگی ساری تری راہ گزر میں گزری[22]

لمبی اور طویل بحریں بھی ذوالفقار احمد تابشؔ کی غزل میں پائی جاتی ہیں۔ جس میں ترنم اور موسیقیت کی لہریں مچلتی ہیں۔ وہ اپنے کلام میں ترنم بحروں کو استعمال کرتے ہیں۔ ان کی ایک " کے درمیاں " والی طویل نظم ہے جس میں طویل بحر کا موزوں استعمال کیا گیا ہے:

میں چلا تھا گھر سے ترے لیے تو مرا عجیب سا حال تھا
مری راہ میں کڑی دھوپ تھی مرے دل میں گہرا ملال تھا[23]

جہاں پر انھوں نے طویل بحریں استعمال کی ہیں وہیں پر انھوں نے چھوٹی بحریں بھی اپنے کلام میں استعمال کی ہیں۔ چھوٹی بحریں بھی ان کی شاعری میں ایک اہمیت کی حامل ہیں۔ ان کے ہاں چھوٹی بحر سہل ممتنع کے ذیل میں آتی ہیں۔ چھوٹی بحر میں شعر کہنا دریا کو کوزے میں بند کرنے کے مترادف ہے اس سے ان کی شاعری میں زبان کی سادگی، روانی اور شگفتگی ملتی ہے۔

وہی عجز سخن کی سرگرانی

نہ قید حرف میں آئے معانی[24]

مجموعی طور پر ہم یہ کہہ سکتے ہیں کہ ذوالفقار احمد تابش کی شاعری کا اگر فکری اور فنی حوالے سے مطالعہ کیا جائے تو یہ بات رخ روشن کی طرح عیاں ہے کہ ان کے کلام میں کلاسیکیت کے ساتھ ساتھ جدیدیت کا امتزاج ملتا ہے:

پتھر دکھائی دے تو کہیں سر دکھائی دے

سارے نگر میں بس یہی منظر دکھائی دے[25]

جانے وہ آئے نہ آئے وہ ملے یا نہ ملے

عاشقی میں تو یہی بیم و رجا رہتی ہے[26]

خلاصۂ بحث

ذوالفقار احمد تابش کی شعری و نثری کاوشیں اردو ادب کی ثروت میں بے پناہ اضافے کا باعث بنی ہیں۔ ان کے کلام میں موضوعات کی بوقلمونی موجود ہے۔ ان کے شاعرانہ اسلوب میں جدت، ندرت، موسیقیت اور غنائیت پائی جاتی ہے۔ انھوں نے متعدد اصناف ادب میں طبع آزمائی کی۔ ان کی تخلیقات سے نئے فکری موضوعات اور تصورات کی موجودگی کی اطلاع ملتی ہے۔ تابش کا قلم ان کے دل کی ترجمانی کرتا ہے۔ وہ اپنے اردوگرد کے ماحول سے متاثر ہو کر لکھتے ہیں۔

References

1 Zulfiqār Ahmad Tābish, *Dar-e-Neem Wā* (Lahore: Alqā Publications, 2019), 25.
2 Tābish, *Dar-e-Neem Wā*, 27.
3 Tābish, *Dar-e-Neem Wā*, 234.
4 Zulfiqār Ahmad Tābish, *Lab-e-Larzān* (Lahore: Maktaba Tajwar,1977), 88.
5 Mawlvī Najm-ul-Ganī Rāmpurī, *Bahr-ul- Fasāhat* (Lahore: Majlis-e-Tariq-eAdab, 2006), 26.
6 Tābish, *Lab-e-Larzān*, 87.
7 Tābish, *Lab-e-Larzān*, 90.
8 Tābish, *Dar-e-Neem Wā*, 73.
9 Shams-ul-Din Faqeer, *Hadāiq-ul-Balāha*, Trans. Imām Baksh Subāi (Lakh Nao: Nowal Kashur, 1843), 58.
10 Rāmpurī, *Bahr-ul- Fasāhat*, 35.
11 Tābish, *Lab-e-Larzān*,115.
12 Tābish, *Lab-e-Larzān*,112.
13 Tābish, *Dar-e-Neem Wā*, 1.
14 Dr. Khawja Muhammad Zakariyā, Tāreekh-e-Adabiāt-e-Masalmanān-e-Pākistan-o- Hind (Lahore: Punjab University, 2014), 442.
15 Tābish, *Lab-e-Larzān*, 5.
16 Tābish, *Lab-e-Larzān*,16.
17 Tābish, *Lab-e-Larzān*,56.
18 Šhamim Ahmad, Asnāf-e-Šukhan aur Sāhri Hāitiān (Lahore: Maktaba Ālia, 1983), 43.
19 Tābish, *Dar-e-Neem Wā*, 42.
20 Tābish, *Dar-e-Neem Wā*, 25.

21 Tābish, *Dar-e-Neem Wā*, 72.
22 Tābish, *Dar-e-Neem Wā*, 73.
23 Tābish, *Dar-e-Neem Wā*, 74.
24 Tābish, *Lab-e-Larzān*, 123.
25 Tābish, *Lab-e-Larzān*,89.
26 Tābish, *Dar-e-Neem Wā*, 125.